[illegible]

…ک لاجواب مدلّل اور نہایت پُر معنی فاضلانہ لیکچر

…لانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی نے بمقام حیدرآباد دکن

کے

عظیم الشان جلسہ میں فرمایا تھا

جسے

…بفرمائش قمر الدین اینڈ سنز تاجران کتب

مالک میوچوئل ٹریڈنگ ایجنسی موچی دروازہ لاہور

سنہ ۱۳۴۰ھ

…نے مطبع کریمی لاہور باہتمام میر امیر بخش طبع کرایا

قیمت

الفاروق مکمل ہر دو حصہ معہ نقشہ دنیائے اسلام

فہرست مضامین مکمل سوانحعمری حضرت عمر رضہ

جس میں آپ کی شاندار زندگی کے شاندار کارنامے اور خدمت دین اسلام کے نہایت مفصل حالات ہندوستان کے بہترین اور معزز نامور مصنف حضرت موللنا مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی مرحوم و مغفور نے دلی شوق اور نہایت محنت سے جمع کر کے لکھے ہیں۔ اور اپنی مقبولیت کی وجہ سے سینکڑوں بار چھپ کر بہ نظرین ہو چکے ہیں اس ایڈیشن کو ہم نے بھی نہایت عمدگی سے طبع کرایا ہے۔ اور عام لوگوں کے پڑھنے کی خاطر قیمت بالکل کم یعنی صرف ایکروپیہ چار آنے رکھی ہے۔

بزم فانی و حالت قوم

مصنفہ منشی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی کی اسلامی نظم۔ اس کے مطالعہ سے دل کی حالت عجیب قسم کی ہوتی ہے اور اسلامی محبت کا سچا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ قابل مطالعہ ہے قیمت ۲/

خواب ہستی

یہ بھی منشی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی کی مشہور نظم ہے۔ جو آج تک آپ کی نظر سے نہ گذری ہوگی انسانی ہستی کا عجیب خاکہ کھینچا ہوا ہے۔ قابل مطالعہ ہے قیمت ۲/

روضۂ رسول

اس نظم پر انجمن حمایت اسلام لاہور کیطرف سے مصنف کو ایک نقری تمغہ اور ایک جیبی گھڑی انعام ملا تھا۔ نہایت اثر اور جذبہ سے پُر ہے۔ قیمت ۲/

ب آنریبل نواب سرجواد الدولہ سید احمد خاں کے سی ایس آئی مرحوم و مغفور

٧٨٦

دیباچہ

ازمنہ ماضیہ کی سیاسی و مذہبی و ادبی تاریخ کو بنگاہ غائر دیکھنے والا بلا
تامل اس نتیجہ پر پہنچنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ یہ بات ناممکنات میں داخل ہے۔ کہ ہر
زمانے میں ابنائے وقت نے اپنے ملک اور قوم کے کسی اولوالعزم نامور اہل
کمال اہل علم مصلح ریفارمر ہادی و رہنما کے ابتدائی ایام میں مخالفت پر کمربستہ
ہو کر اس کے عزم و استقلال کو متزلزل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ بلکہ یہ
ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ جس پایہ کا کوئی مصلح ریفارمر دنیا میں آیا۔ اسی حیثیت سے
اس کی زبردست مخالفت کی گئی۔ ذرا انبیاء و مرسلین کی لائف پر تو نظر ڈالیئے
کہ جس قدر وہ ملک و قوم کی اصلاح و بہتری کے لیئے کوشش کرتے [illegible]
قدر انہیں تکالیف اور ایذائیں پہنچائی جاتیں۔ اسی طرح ہر زمانہ میں جو بھی [illegible]
و قوم کا سچا بہی خواہ علم الاصلاح لے کے اٹھا۔ ملک و قوم نے اسی کی مخالفت
میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن لطف یہ ہے کہ حق و صداقت ہی
کی آخر فتح ہوتی ہے یعنی اس مصلح کے آخری ایام میں بڑے بڑے سرکش
مخالفین کی گردنیں جھکیں۔ اور جب وہ مصلح اپنا مشن پورا کر کے دنیا سے چلا
گیا۔ تو پھر زمانہ کی آنکھیں کھلیں۔ اسی کی ضرورتوں کو محسوس کیا۔ آہ یہی ناقدر
دان زمانہ یاد کر کر کے روتے ہیں ؎

وفائیں یاد جو آئیں تو مجھ کو ڈھونڈتا ہے
پشیماں ہوتا ہے اب خاک میں ملا کے مجھے (تاج)

بدقسمتی سے زمانہ کا یہ قاعدہ کلیہ سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور بانی علیگڑھ
کالج پر بھی عائد ہوا جب تک وہ دنیا میں رہے۔ طرح طرح کے الزامات سے

ملوث ہوئے۔ کفر و اتحاد کے فتووں کے مورد ہوئے لیکن آج جب سر سید مرحوم کا وجود دنیا میں نہیں ہے۔ تو قوم سر سید کو تلاش کرتی ہے۔ اور زبان حسرت سے کہتی ہے۔ کہ افسوس آج وہ بیدار مغز روشن دماغ صائب الرائے اور سچا ریفارمر ہی قوم کے پاس نہیں۔ ورنہ جن پیچیدہ اور تیرا تار راستوں پر آج افراد قوم ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ انہیں اصلی منزل مقصود پر پہنچا دیتا۔ گو ایک طبقہ جو پرانی لکیر کا فقیر۔ دقیانوس یا اولڈ فیشن کہلاتا ہے وہ اسی گرداب میں غوطے کھا رہا ہے۔ کہ سر سید بے دین تھا۔ ملحد تھا۔ کافر تھا۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد دن بدن معدوم ہو رہی ہے اور احساس قومی نے ایک ایسی جماعت بھی پیدا کر دی ہے۔ جو یہ کہتی ہے کہ سر سید نے دین تو بیشک خراب کیا۔ لیکن مسلمانوں کی دنیا سنوار دی۔

ایک گروہ ایسا بھی ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ سر سید اگر مذہبی پیچیدہ گتھیوں کی سلجھانے کی کوشش نہ کرتے تو ایک دنیائے اسلام اُنکے ساتھ ہو جاتی۔ لیکن ہمارے خیال میں جو کچھ سر سید نے سمجھا۔ وہ کسی نے نہیں سمجھا۔ ایک کامل حکیم اور نباض ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔ کہ موسم کیا ہے۔ مریض کا مزاج کیا ہے اسباب مرض کیا ہیں۔ مریض کی موجودہ حالت کیسی خطرناک ہے اور ازالہ مرض کس طرح ہو سکتا ہے۔

پس قوم اُس وقت ایک خطرناک مریض کی حالت میں تھی۔ سر سید نے کڑوی کسیلی دوائیں دینی شروع کیں۔ بعض اوقات ادوئے بیہوشی سنگھا کر عمل جراحی بھی کیا۔ نادانوں نے سمجھا کہ مریض کو ہلاک کیا جا رہا ہے۔

وہ ایسا زمانہ تھا۔ کہ مسلمان تحصیل علوم مغربی کی حرکت کو کفر والحاد کا صدر پہنچاتے تھے۔ لیکن آج یہ حالت نہیں ہے۔ کہ اس تکفیر و تنفر کا زور قریبًا قریبًا مفقود ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ اچھے اچھے جبہ و دستار والے

علماء خود فرماتے ہیں۔ کہ انگریزی تعلیم کے بغیر مسلمان ترقی ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ انہوں نے خود اپنی اولاد کو اس کی تحصیل کے لئے عام اجازت دیدی ہے۔

کیا عجب ہے کہ اگر یہی سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ (اور انشاء اللہ جاری رہیگا) تو وہ زمانہ عنقریب آنیوالا ہے۔ کہ وہی طبقہ جو سر سید کی دنیوی کوتاہیوں کا اعتراف کر چکا ہے۔ اُنکی دینی برکات کا بھی مداح ہو جائیگا۔

ہاں ہاں اگر مسلمانوں نے دنیا میں زندہ رہنا ہے۔ تو وہ علوم جدیدہ کی تحصیل میں ہر وقت ساعی رہیں گے۔ اور علوم جدیدہ کی روزافزوں ترقی قدیم مذہبی علوم کے طریق استدلال میں ایک قسم کا تصادم و اضطراب پیدا کریں گے۔ پس ایسے زمانہ میں جو طاقت مسلمانوں کے پائے ثبات کو متزلزل نہ ہونے دیگی۔ وہ سر سید کی ہی فلسفیانہ مذہبی تعلیم ہوگی۔

ہاں ہاں اگر قوم علوم جدیدہ سے مستفیض ہونے کے لئے اس طرح قدم بڑھاتی رہی۔ تو ایک دن اُسے سر سید کے مذہبی اجتہاد کا قدر دان معترف ہونا پڑیگا۔ جس کی تصدیق و تائید میں اس وقت میں ملک و قوم کے ایک نامور ادیب اور مشہور معروف مورخ مولنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر ایڈیٹر دلگداز وغیرہ کا وہ مضمون جو سر سید کی دینی برکتوں کے عنوان سے حیدر آباد دکن کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھا گیا تھا پیش کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی امید کرتا ہوں۔ کہ وہ اصحاب جو سر سید مرحوم سے محض اس لئے کشیدہ خاطر ہیں۔ کہ انہوں نے مذہبی معاملات میں الجھ کر مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ایک بہت بڑے خطرناک مخمصے سے نجات حاصل کریں گے۔ اور وہ ذرا غور و تدبر سے کام لینگے۔ کہ مذہب کی اس وقت میں نازک حالت ہے

اور اس پر کیسے کیسے مصائب ٹوٹ رہے ہیں۔ اور دشمنان دین کے خوفناک حملوں کی مدافعت اور اُن کے سدباب اور استعمال کیلئے۔ سرسید نے کیا کیا کوششیں کیں۔ اس سے یہ غرض نہیں۔ کہ اگر آپ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ تو خواہ مخواہ ہی سرسید کے ہی فلسفہ اجتہاد کے آئینہ میں اسلام کے ہر مسئلہ کی صورت دیکھیں۔ بلکہ سرسید مرحوم کا تو خود یہ اعتقاد تھا۔ کہ جو لوگ بلا کسی دلیل و حجت کے اسلام اور اسلام کے تمام و کمال احکام کو سچا مانتے ہیں۔ وہ میرے نزدیک سچے مسلمان اور آسمان کے درخشاں ستارے ہیں۔
مگر اس گروہ کا کیا علاج جو ہر مذہب کو ایک خاص کسوٹی پر کسنا چاہتا ہے اور جب تک اس میں کھرا نہ اترے وہ اس کے ماننے پر مجبور نہیں ہے۔ پس میرا دعویٰ ہے کہ جس کسوٹی پر وہ مذاہب کو کسنا چاہتے ہیں۔ اسلام اس پر بھی کندن سے زیادہ کھرا اتریگا۔

امید ہے کہ اس مضمون کے عام طور پر شائع پذیر ہونے سے قوم میں سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائیگا۔ اور مسلمان سرسید مرحوم کو نہایت خلوص و محبت سے یاد کیا کریں گے

(ولایت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سر سید احمد خاں کی دینی تحریریں

سر سید کے خلاف جو ہنگامہ آج سے ۳۰-۳۵ سال پہلے زور و شور پر تھا۔ اُن کی زندگی ہی میں کم ہو چلا تھا۔ اور اب اُن کے انتقال کے دس گیارہ برس بعد تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سب اختلافات ہباءً منثورہ ہو گئے۔ اور ہر شخص اتنا ضرور تسلیم کر رہا ہے۔ کہ سید مرحوم مسلمانوں کے سچے خیر خواہ اپنی قوم کے فدائی اور اپنے ہم مذہبوں کے دلی دوست تھے اسکا اعتراف کرنے میں بھی کسی کو تامل نہیں۔ کہ اُن کی ذات سے مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچا۔ بلکہ اکثر سمجھدار اور عاقبت اندیش اور زمانہ شناس لوگ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ممالک متحدہ پنجاب ہی نہیں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو صرف ایک شخص نے تباہی و پامالی سے بچا لیا۔ اور وہ شخص سر سید تھا لیکن سید صاحب کی زندگی کے اُس رُخ پر کہ قوم کو اُن کی ذات سے کیسے کیسے دنیوی فائدہ حاصل ہوئے بہت کچھ غور کیا جا چکا۔ اور بے انتہا بحثیں ہو چکیں۔ اور

تسلیم کر لیا گیا۔ کہ مسلمانوں کی دنیوی ترقی کے لیئے ان کی ذات
ایک فرشتہ تھی۔ چنانچہ جب اُن کا نام آجاتا ہے تو ہر جگہ تحسین و مرحبا کی
صدائیں زور شور سے گونجنے لگتی ہیں۔ لہٰذا اب اس بارۂ خاص میں
کچھ کہنے یا ہموطنوں اور ہم مذہبوں کو بتانے اور سمجھانے کی بہت کم
ضرورت باقی رہی ہے۔

اسی لیئے ہم آج سید صاحب کی زندگی کا ایک دوسرا رخ اختیار
کر کے اس امر پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کہ سید مرحوم کے ظہور اور اُنکی مجتہدانہ
کوششوں سے مذہب پر کیا اثر پڑا اور آیا اُنکی ذات سے مذہب کو بھی کچھ
فائدہ پہنچا یا نہیں۔ اگرچہ سچ یہ ہے کہ ان کی زندگی پر اس حیثیت سے
بحث کرنے کا صحیح وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ سید صاحب اس بارہ میں
جو کچھ کر رہے تھے۔ اُس کو تعلق موجودہ دور کے مذاق موجودہ تعلیم موجودہ
انقلابات اور موجودہ رفتار کے آخری نتائج سے تھا۔ اور وہ نتائج گو ہر
جگہ ظاہر ہونے لگے ہیں۔ مگر ابھی اُنکا بہت کچھ ظاہر ہونا باقی ہے۔ اور
خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نتائج جو جو زیادہ ظاہر و نمایاں ہوتے جائینگے۔
اُسی قدر سید صاحب کی مذہبی برکتیں بھی زیادہ نمایاں اور روشن ہوتی
جائینگی۔ اور روز بروز زمانہ وضاحت سے بتاتا جائیگا۔ کہ سید صاحب
کیا تھے اور مسلمانوں کو من حیث الدین کیا فائدہ پہنچا گئے۔

اسلام کی گزشتہ بارہ صدیاں اوج و عروج میں گزر گئی تھیں جبکہ فقہ اسلام اون کے ممالک کا قانون تھی۔ اور حقیقت اسلام کی دلیلوں میں حکومت کا زور بھی موجود تھا۔ اُنکے اوضاع و اطوار ملک کا فیشن تھے اور دولتمندی کیوجہ سے غیر قوم اور غیر مذہب والوں کو بھی اُنکی ہر وضع میں ایک ادا اور اُنکی ہر بات میں ایک خوبی نظر آتی تھی۔ مسلمانوں ہی کو اپنی معاشرت اور اپنے مذہبی رسوم پر ناز نہ تھا۔ بلکہ دیگر مذاہب والے بھی اُن کی صحبتوں اور اُنکی عادتوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اور اُنکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی نہیں امتداد زمانہ نے مسلمانونکو باور کرادیا۔ کہ اگر کوئی غیر قوم یا غیر مذہب والی جماعت انپر غالب بھی آئیگی۔ تو وہ بھی دن کے نقش قدم پر چلنے کے لئے مجبور ہوگی۔ اور اُن کے مذہب و اخلاق کو اختیار کر کے ترقی اسلام کا ذریعہ بن جائے گی۔

تیرہویں صدی ہجری میں یکایک یہ انقلاب ہوا کہ خدا نے عنان حکومت اُنکے ہاتھ سے نکال کے یورپ کے مسیحوں کے ہاتھ میں دی۔ اور یہ لوگ تاتاری نہ تھے۔ کہ مسلمانوں پر حکمران ہونے کے بعد اُنکے کیش و آئین کو اختیار کر لیتے۔ اور مسلمان ہو جاتے۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے اوضاع و اطوار قائم رکھے اور جن چیزوں کو مسلمانوں

سے لیا بھی تھا۔ اُن میں غیر معمولی ترقی کرکے اس درجہ کو پہنچ گئے
کہ وہ چیزیں غیر سے لی ہوئی نہیں۔ بلکہ خود اُنکی اور اُن کے مغربی
رنگ میں رنگی ہُوئی نظر آتی تھیں +

ایسے انقلابات میں ہمیشہ دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اگر غالب و فاتح
قوم ظالم و بیرحم اور متعصب اور بیدرد ہوئی۔ تو مغلوب و مفتوح قوم کو بالکل
پامال اور ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کردیا کرتی ہے جیسا کہ اگلے دنوں آریہ
لوگوں نے ہندوستانیوں کیساتھ بابل و اسٹریا والوں نے یہود وغیرہ کیساتھ
اور فارسیوں نے بابل کے صابئین کے ساتھ اور قرون وسطی میں
کیسٹائل کے عیسائیوں نے ہسپانیہ کے مسلمانوں کیساتھ کیا اور اگر
فاتح و غالب قوم منصف مزاج ہوئی۔ تو مغلوب و مفتوح قوم بے شک
دست برد زمانہ سے بچ جاتی ہے جس کی مثال خود ہندوستان کی اگلی
اسلامی سلطنت تھی ہمیں اپنی خوش نصیبی پر خدا کا شکر کرنا چاہئے۔ کہ
جس قوم نے ہمیں مغلوب کرکے مفتوح بنایا وہ انسانیت کے اعلیٰ اوصاف
سے متصف اور منصف و غیر متعصب ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم کا
دست برد زمانہ سے بچ کے زندہ رہ جانا یقینی تھا +

مگر اس صورت میں بھی ایک بہت بڑا اندیشہ ہے جسے کسی ظالم قوم کی
سختی کے اندیشہ سے کم خیال کرنا چاہئے۔ ایک مذہب اور ایک قوم کی

مفتوح و مغلوب کا ابتدائی زمانہ انتہا سے زیادہ تعصبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے
ایک ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ ہمیں فاتحوں کی ہر چیز سے نفرت کرنی چاہیئے
نہ اُنکی زبان سیکھنی چاہئے۔ نہ انکے علوم فنون حاصل کرنے چاہئیں۔
نہ اُنکے اوضاع و اطوار اختیار کرنے چاہئیں۔ بلکہ اُن کیساتھ ملنے
جلنے اور اُٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ
قوم اپنے زمانہ کی ترقیوں سے محروم رہ کے خود ہی تباہ و پامال ہونے لگتی
ہے۔ پھر اس کے چند روز کے بعد جب محکومی کی عادت پڑ جاتی ہے اور دل
زمانہ کی ناسازگاری کو گوارہ کر لیتا ہے۔ تو یکایک ایک دوسری متضاد کیفیت
شروع ہو جاتی ہے۔ جسے انگریزی میں ری ایکشن کہتے ہیں۔ یعنی اپنی تمام
چیزیں بُری اور حقیر نظر آنے لگتی ہیں۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اپنے وضع
ولباس اوضاع و اطوار اور کیش و آئین تک میں ایسے عیوب نظر آنے
لگتے ہیں۔ کہ مفتوح قوم کو خود ہی اپنی عادتوں اپنی رسموں حتیٰ کہ اپنی صورت
تک سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اگر حاکم قوم ہندؤں اور یہودیوں کی سی
ہے جو کسی غیر قوم والے کو اپنی قوم مذہب میں شریک ہی نہیں کرتے۔ تو
مفتوح قوم آہستہ آہستہ فاتحوں کے دین و ملت میں داخل ہوتے ہوتے
فنا ہو جاتی ہے۔

اگلی تمام فنا شدہ قوموں کی یہی تاریخ ہے۔ اور یہی تاریخ ہماری قوم

اور خصوص مسلمانان ہندوستان کی ہے۔ مگر وہ اس تاریخ کی انتہا تک نہیں پہنچنے
پائے تھے کہ سر سید نے درمیان میں آکے روکا۔ اور زمانہ کی اُس خطرناک
گاڑی سے اُتار لیا۔ جو اُنہیں زوال و ہلاکت کی طرف لئے جاتی تھی۔ چونکہ
انگریزوں کی قوم انصاف پسند اور غیر متعصب تھی اس لئے ان دونوں مذکورہ
بالا مدارج کو طے کرنا ہمارے لئے ضروری تھا۔ غدر کے بعد ہم میں انگریزی
زبان اور انگریزوں کی تمام باتوں سے جو نفرت تھی وہ بھی ظاہر ہے اور آپ میں سے
اکثر حضرات اُسے دیکھ چکے ہوں گے اور اُس کے ابد اب انگریزی اوضاع و اطوار
کا جو شوق بڑی تیزی کیساتھ ہماری قوم میں بڑھتا جاتا ہے اُسکو بھی آپ دیکھ رہے ہیں

اس قدر ہماری تمہید کا پہلا جزو تھا اب ہم تمہید ہی میں ایکد وسرے
جزو کی حیثیت سے اس امر کو دکھانا چاہتے ہیں کہ انگریزی قوم کس مذاق اور وضع
کی قوم ہے۔ اور اُنہوں نے ہندوستان کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد کیا
طریقہ اختیار کیا۔ دنیا کی تمام گذشتہ اور موجودہ قوموں کے خلاف انگریزی میں حد درجہ
کی آزادی ہے کسی کے مذہبی امور میں وہ دخل نہیں دیتے۔ بلکہ ہر مذہب والوں
کو اپنے مذہب کے لئے مناظرہ کرنے اور خود حاکم قوم کے مذہب کی علانیہ تردید
کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ علم کو ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اور اُس کے بڑے
زبردست حامی ہیں۔ مگر وہ علم جس کو مذہب سے نہیں بلکہ فلسفہ سے تعلق ہے لہذا
موجودہ گورنمنٹ نے اگرچہ مذہبوں کو پوری آزادی دیدی لیکن اس کیساتھ

ہی ایک ایسی چیز کی سرپرستی شروع کی جس سے زیادہ مذہب کا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا۔ پھر فلسفہ کیساتھ سائنس کو ترقی ہونا شروع ہوئی جس نے مذہب کی جڑ کو اور کمزور کرنا شروع کر دیا ؂

خلاصہ یہ کہ چند ہی روز میں فلسفہ اور سائنس کی ترقی نے مذاہب کی دنیا میں ایک ایسی ہلچل ڈالی کہ تمام مذاہب میں ایک گونہ فساد شروع ہو گیا۔ اور ہر مذہب نے اپنی مروجہ وضع چھوڑ کے ایک نئی صورت اختیار کرنا شروع کر دی۔ اب عام طور پر معیار صداقت یہ قرار پا گیا۔ کہ "جو مذہب حقائق موجودات اور اصول تمدن کے خلاف ہو وہ مذہب سچا ہو نہیں سکتا" دوسری طرف غور سے دیکھئے تو مذہب کی حالت یہ ہے کہ اُس کی ابتدا تو نہایت ہی مضبوط و موجہ اصول عقلی سے ہوا کرتی ہے۔ مگر بعد والے خلاف فطرت واقعات کو دلائل حقیقت قرار دے کے مذہب میں شامل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور آخر میں مذہب صرف کرشمہ پرستی کا نام رہ جاتا ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ ایسے مذاہب جنہوں نے قدامت کے رنگ میں رنگ کر ایسی صورت اختیار کر لی ہو زمانہ کا کیونکر مقابلہ کر سکتے تھے ؂

اس کون و فساد کے زمانہ میں سید احمد خاں پیدا ہوئے اور ان کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے۔ کہ ان انقلابات کے نتائج اور قوم کے اس اندرونی مرض کو اس وقت سمجھ گئے۔ جبکہ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اور

کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ زمانہ ہمیں کدھر لئے جاتا ہے۔
انگریزی تعلیم اور انگریزی حکومت سے کیا نتائج ظاہر ہونے والے ہیں اور
چند روز بعد کیا ہوگا! ایک ایسا شخص جسے انگریزی تعلیم بھی نہ ہوئی ہو۔
انگریزی زبان اور اُس کے علوم سے ناواقف ہو اس کے خیال کا آج سے
پچاس برس پہلے آپ ہی آپ اس طرح مائل ہو جانا تھوڑی حیرت کی بات
نہیں ہے! ابتدائی زمانے میں وہ ایک پُر جوش حدیث مسلمان تھے! اور اُس
مذہبی ریفارم سے متاثر تھے جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ سے شروع ہو کے
مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب کے زبردست ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچی تھی۔ اس
ریفارمیشن نے دو باتیں اُنہیں پہلے ہی سے بتا رکھی تھیں۔ ایک تو یہ کہ
ہندوستان کے مسلمانوں میں جو مذہبی رسوم کثرت سے مروج ہیں۔ اُن کا
اصل مذہب اور حقیقی تعلیم نبوت میں پتہ نہیں! اور دوسرے یہ کہ جو روایتیں
اور حدیثیں اور سنن و آثار اسلام کے عام علما و واعظین کی زبانوں سے
سُنے جاتے ہیں۔ اُن میں سے اکثر ضعیف و موضوع ہیں۔ اس چیز نے
اُنہیں تحقیق و تنقید کی جانب مائل کیا! اور اسی کی بدولت اُن میں وہ تعصب
کم ہوا جو سوا تقلید جامد کے تحقیق کی طرف نہیں مائل ہونے دیتا۔ لیکن
یہ صرف وہ مادہ تھا۔ جو مذاق   سے ہٹنے اور نیا رنگ اختیار کرنے
میں اُن کا معین ہے ✣

اصلی چیز جس نے اُنہیں ایک معمولی مسلمان سے وہ سرسیّد بنایا جس کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہم آج جمع ہوئے ہیں۔ کتاب آثار الصنادید کا تصنیف کرنا ہے۔ مولانا حالی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے تصنیف کرنے کے جانب انہیں مالی دشواریوں اور روپیہ کی ضرورت نے مائل کیا خیر اس کا خیال چاہے کسی وجہ سے پیدا ہُوا ہو مگر دیکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کی تصنیف کے لئے اِنہیں کیا کرنا پڑا۔ اِنہیں دلّی کے پُرانے کھنڈروں میں پھرنا اور ایک ایک منہدم و پامال حوادث عمارت کو غور سے دیکھنا پڑا۔ اکثر راتیں اُنہیں خاموش اور سنسان کھنڈروں میں گزارنا پڑیں اور ایک ایک کی عبرتناک صورت سے عبرت اور دست بردِ زمانہ کا سبق لینا پڑا۔ خلاصہ یہ کہ یہ گرے پڑے قصر و ایوان اُن کے لئے ریاضت و عبرت کی خانقاہیں بن گئے اور یہ مثل صادق آئی۔ ع

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

پیغمبری تو اب حضرت ختمی مآب صلعم کے بعد کسی کو نصیب نہ ہو سکتی تھی۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ کہ ایک شخص اس قسم کی پیمبرانہ ریاضت کرے اور انسان کامل نہ بن جائے۔

انہیں عمارتوں نے اپنی خاموشی کی سراپا حسرت زبان سے اُن کے کان میں کہ دیا۔ کہ ہماری بربادی کے کیا اسباب ہیں۔ اور تم اگر تباہی

سے بچنا چاہتے ہو تو تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ اس کیساتھ ہی ساتھ انہوں نے علوم اسلامیہ کو غور تامل سے مطالعہ کرنا شروع کیا اور چندروز کی تحقیق وتنقید کے بعد دعوے کیا کہ اس وقت دنیا میں جتنی الہامی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں نہ کوئی چیز حقایق موجودات کے خلاف ہے۔ اور نہ تمدن اور حسن معاشرت کے سد راہ مگر علمائے زمانہ اور عام مسلمان اس دعوے کے ماننے کے لئے تیار نہ تھے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ خلاف فطرت واقعات کا ظاہر ہونا ہی دلیل نبوت اور برہان حقیقت ہے۔ سید صاحب نے اس دعوے کیساتھ ہی تمام مسائل مذہبی پر بحث شروع کی موضوع وضعیف روایات کو چھوڑ دیا۔ اور سوائے قرآن وحدیث کے دیگر تمام چیزوں کی طرف سے آنکھ بند کر لی۔ یہ مباحث جوں جوں بڑھتے گئے مخالفت بھی روز افزوں ترقی کرتی چلی گئی۔ ہر جگہ سید صاحب کو گالی دی جانے لگیں۔ کفر و الحاد کے فتوے شائع ہونے لگے۔ اور اُن کی تردید میں متعدد رسالے جاری ہو گئے۔ اور یکایک ایک ایسا زمانہ آگیا۔ کہ در و دیوار سے لعنت و نفرین کی صدا بلند ہوتی تھی۔ اور سید صاحب اپنے کام میں مشغول تھے ٭

اُن کے اس طرز عمل پر آج کل بھی کبھی کبھی اعتراض کر دیا جاتا ہے۔ کہ سر سید دنیوی اصلاح کے متعلق جس قدر بحث چاہتے کرتے۔ مگر مذہبی معاملات

میں اُن کو نہ دخل دینا چاہئے تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کی معاشرت اُن کے لٹریچر اُن کے اخلاق و عادات اور اُن کے تمدن پر اُن کا مذہب اس قدر چھایا ہوا ہے۔ کہ بغیر مذہبی مسائل میں دخل دیئے کسی قسم کی اصلاح ہو ہی نہ سکتی تھی۔

اور سید صاحب کو جس قسم کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اُس کو تعلق زیادہ تر مذہب ہی سے تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف تو انگریزی کی عام تعلیم مسلمان بچوں کو لامذہب اور بدعقیدہ بنا رہی ہے۔ دوسری طرف مشنری لوگ اسلام کی علانیہ تردید کر رہے ہیں۔ اور وہ ناپاک الفاظ زبان سے نکال رہے ہیں۔ جن کے سننے سے مسلمانوں کے کان ناآشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مذاہب جو مدت ہائے دراز سے اُن کے محکوم چلے آتے ہیں آزادی پا کے اُنکے مذہب پر حملہ اور طعن و تشنیع کرنے لگے ہیں۔ چوتھی طرف خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے۔ کہ صرف رسموں اور ضعیف الاعتقادیوں کا نام اُنہوں نے مذہب رکھ لیا ہے۔

اِن آفتوں سے مسلمانوں کا بچانا بغیر اس کے کہ مذہب میں دخل دیا جائے ممکن ہی نہ تھا۔ قطع نظر اس کے اب اسلام پر جو اعتراضات ہو رہے تھے وہ بالکل نئی قسم کے تھے عیسائی مشنری اور مورخین کہہ رہے تھے کہ اسلام لوگوں کو مجبور کر کے اور بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اور اسلام کی

بنا ظلم و جور اور لوٹ مار پر ہے۔ اُس کے مقابل مسلمانوں کو بجائے جواب دینے کے اس پر ناز تھا۔ کہ ہم نے اتنے کافر مارے۔ اتنے کلیسے کھودے۔ اتنے بت توڑے اور فخریہ وعظ کہہ رہے تھے کہ "قاتلو" ہم جہاں موقع پاؤ بزن بول دو۔ کافر کے مارنے سے بڑا کوئی ثواب نہیں ؛

عیسائی کہتے تھے کہ مسلمانوں میں جہاد فرض ہے۔ لہذا وہ قدرتاً باغی ہیں اور مطیع و وفا کیش رعایا کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے! ادھر ہمارے علما زور و شور سے جہاد کا فتویٰ دے رہے تھے! اور عوام کے نزدیک خانہ جنگی اور بلوہ اور ہنگامہ کرنے کا نام جہاد تھا ؛

عیسائی کہہ رہے تھے کہ اسلام علم و فضل کا دشمن ہے اور حضرت عمر نے مصر کا قدیم کتبخانہ جلوا دیا۔ ادھر ہمارے مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ

علم دین فقہ است و قرآن و حدیث — گر بخواند غیر ازیں گردد خبیث

اور کتبخانہ اسکندریہ کے جلانے کی روایت جو متعصب عیسائیوں کی بنائی ہوئی تھی اُس کو فخر کیساتھ قبول کرتے اور بجائے خود اُس پر ناز کر رہے تھے ؛

عیسائی رسول اللہ صلعم سے گناہ و عصیاں کو ثابت کرتے مسلمانوں کی طرف سے اس کا الزامی جواب توریت سے نکال نکال کے یہ دیا جاتا کہ تمہارے نزدیک فلاں فلاں پیغمبر سے ایسی سیاہ کاریاں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور یہ نہ جانتے تھے کہ عیسائیوں کے نزدیک انبیاء معصوم ہی نہیں ہیں۔ اُن کا

کچھ نہیں بگڑتا۔ اور تمہارے عقیدہ کی نبوت اور اُس کی عصمت بین بٹہ لگا جاتا ہے۔ غرضیکہ دشمنان اسلام جو اعتراض کرتے اُس کو مسلمان اپنے جاہلانہ غرور سے بہ عوض دور کرنے کے اُلٹے تسلیم کئے لیتے تھے۔ ایسی حالتوں میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ بغیر مذہبی مباحث میں دخل دینے کے مسلمانوں کی اصلاح کیونکر ممکن تھی، سید صاحب کے دل میں جم گئی تھی۔ کہ زمانہ کا ایسا رنگ ہے۔ کہ اگر مذہبی اصلاح نہ کی گئی تو انگریزی اسکولوں کے تعلیم پائے ہوئے بچے سب عیسائی یا لامذہب اور ملحد ہو جائیں گے۔ اور یقیناً ہو جاتے۔ کیونکہ سید صاحب کے پاس بعد کے زمانہ میں متعدد انگریزی طلبا کے ایسے خطوط آئے جن کا ماحصل یہ تھا۔ کہ اگر آپ نے ہماری ہیری نہ کی ہوتی تو ہم مذہب اسلام کے چھوڑنے کو تیار تھے۔ یہ خطوط سید صاحب کو اس قدر عزیز تھے کہ اُن کو احتیاط سے رکھ چھوڑا تھا۔ اُن کو اپنی ہمدردی اسلام اور اپنی کوشش خیر کی سند اور اُنہیں کو اپنی نجات کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ ان دنوں اسلام کی پولٹیکل حالت میں ایک بالکل نیا انقلاب ہوا تھا۔ اور مسلمانوں نے پہلے پہل ایک ایسا زمانہ دیکھا تھا جیسا زمانہ دیکھنا اُس سے پیشتر اُنہیں کبھی نہیں نصیب ہوا تھا یعنی اس سے پہلے مسلمان یا تو خود اپنی مذہبی سلطنت میں رہے تھے یا ایسی غیر سلطنتوں

میں رہے تھے۔ جو دنیا میں اُن کا اثر غالب دیکھ کے اُن کا ادب اور اُن کا پاس و لحاظ کرتی تھیں۔ بیشک اسپین میں مسلمانوں پر ظلم ہوا تھا۔ مگر وہاں اُن کی آہ و فریاد کی آوازیں قبل اس کے کہ کسی اور ملک کے مسلمانوں کے کانوں تک پہنچیں۔ سپین ہی کی خاک میں دب کے فنا ہو گئی تھیں۔ دیگر بلاد و ممالک کے مسلمان یا تو حاکم بن کے رہنا جانتے تھے۔ یا کسی کے معزز مہمان بن کے رہنا۔ ایک کمزور رعایا کی زندگی سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ حکومت جاتے ہی انکو اپنے برابر ہندو نظر آتے تھے۔ جو کل تک اُن کے زیر حکومت تھے اور اپنے اوپر یورپ کے مسیحی جن کو اُن کی وجاہت ماننے اور دیگر رعایا پر انہیں فوقیت دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس زندگی سے ناآشنا ہونے کے باعث اُن سے ایسے حرکات صادر ہو جاتے تھے۔ جو ایک طرف تو غیر مذہب پردیسیوں اور ہموطنوں کو برافروختہ کر دیتے۔ اور دوسری طرف حکمران قوم کی نظر میں اُنکی اطاعت وفاداری کو مشتبہ ثابت کر دیتے۔ اس زندگی کے عنوان پر انہیں ایک ایسے عاقل و فرزانہ رہبر کی ضرورت تھی جو نہ ہموطنوں سے بگاڑ ہونے دے۔ اور نہ گورنمنٹ کو اپنی طرف سے بدگمان ہونے کا موقع دے وہ عاقل و فرزانہ رہبر سرسید ثابت ہوئے۔ جنہوں نے مذہبی مباحث میں پڑ کے اور زمانہ ناشناس علماء سے لڑ بھڑ کے مسلمانوں کو اس

زمانہ کے مناسب ایک ایسی مذہبی زندگی کی تعلیم دی جو "مرنجان مرنج" ہو جس کا ما تو غیر مذہب ہموطنوں کے مقابلہ میں تو یہ ہو کہ "لکم دینکم ولی دین" اور غیر مذہب حاکم کے مقابل میں یہ ہو کہ اسلام میں حاکم اور فرمانروا کی اطاعت فرض اور بغاوت و سرکشی حرام ہے۔ اس زندگی کے متعلق احکام سچ پوچھیے تو مسلمانوں کو نہ حدیث میں ملسکتے تھے اور نہ فقہ و فتاوی کی کتابوں میں۔ لہذا سچ یہ ہے کہ سید صاحب نے مذہبی اصول میں دخل دیکے فقہ اسلام کا وہ حصہ مکمل کر دیا۔ جو پیشتر ضرورت نہ پڑنے کے باعث مدوّن ہی نہیں ہونے پایا تھا۔ حضرات کیا آپ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دین اسلام کی یہ تھوڑی اور معمولی خدمت تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ بہت بڑی خدمت تھی۔ اور ایسی خدمت اگر نہ بجا لائی جاتی تو ہندوستان میں اب تک مسلمانوں کا پتہ بھی نہ لگا ہوتا۔

اب ہم اس بحث کو شروع کرتے ہیں کہ سید صاحب نے مذہب میں کیا اصلاحیں کیں۔ اور کن کن مسائل پر گفتگو کی۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں اس بحث کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے اہم۔ ایسے مسائل گنوائے ہیں جن میں سرسید نے جمہور علمائے اسلام کے خلاف کہا ہے۔ مگر باوجود اس کے سامنے میں نے اپنا کوئی نہ کوئی مستند ہم نے ضرور پیش کر دیا ہے۔ گویا یہ کہنا چاہیے۔ کہ ان مسائل

میں وہ منفرد نہیں۔

ان مسائل کی پوری پوری فہرست پیش کر دینا چنداں ضروری نہیں۔ تاہم میں اتنا بتا دیتا ہوں کہ اجماع و قیاس کا حجت شرعی نہ ہونا کسی آیت قرآنی کا منسوخ نہ ہونا۔ توراۃ و انجیل میں صرف تحریف معنوی ہونا۔ نصرانی کے ہاتھ کے ہوئے گلا گھونٹے مرغ) کو جائز سمجھنا۔ ملائکہ اور شیطان کا وجود خارجی نہ ہونا۔ کفار کیساتھ تشبہ کا شرعاً ممنوع نہ ہونا۔ معراج اور شق صدر کا خواب میں ہونا معجزہ کا ربا میں سود سے مراد بنیوں مہاجنوں کے سود کا ہونا نہ بینک اور پرامیسری نوٹ کے سود کا یہ ویت باری سے انکار کرنا۔ حضرت عیسے کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور آسمان پر زندہ چلے جانے کا۔ قرآن سے نہ ثابت ہونا۔ اور اسی قسم کے بہت سے مسائل ہیں۔ مگر یہ سب وہ مسائل ہیں۔ جن میں سید صاحب نے اپنے ذاتی اجتہاد کے علاوہ امام غزالی۔ ابن عربی۔ ابن رشد۔ امام ابو المعالی جوینی امام رازی اور شاہ ولی اللہ کے پایہ کے مستند علمائے ماسبق میں سے کسی نہ کسی کو اپنا ہم خیال اور ہم رائے ضرور بنا یا ہے۔

ان مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ مولانا حالی نے گیارہ ایسے مسائل منتخب کئے ہیں جن میں سید صاحب متفرد ہیں۔ اور ان سے

پیشتر کسی کا خیال ان کی طرف نہیں گیا تھا۔ وہ مسائل حسب ذیل ہیں:۔

(۱) غلامی کا اسلام میں قطعاً ناجائز اور از روئے نص قرآنی ممنوع ہونا۔ یہ ان دنوں دنیا کا ایک پولٹیکل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یورپ کی سلطنتوں نے اس مسئلہ کو افریقہ و ایشیا کے پالٹیکس میں دخل دینے کے ایک زبردست ذریعہ بنا لیا ہے۔ جاہل مسلمان اور خصوصاً وہ مسلمان تاجر جو بردہ فروشی کرتے ہیں۔ اسے ایک رکن اسلامی قرار دے رہے تھے۔ اور علمائے اسلام اُن کے اس خیال کی تصدیق کر دینے میں تامل نہ کرتے تھے سید صاحب نے سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں معجزنما اجتہاد کرکے اور بغیر اس کے کہ قیاس کو ذرا بھی دخل دیں نص قرآنی سے ثابت کر دیا ہے کہ غلامی آخر عہد اسلام میں آیہ کریمہ اما منا بعد و اما فداءً" کے نزول کے بعد ناجائز ہو گئی۔ کیونکہ اس میں صریح حکم موجود ہے۔ کہ لڑائی کے قیدی یا تو احسان رکھ کے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور یا معاوضہ کا روپیہ لے کے۔ مگر صحابہ کے زمانے میں اس پر عمل نہ ہونے پایا۔ اگرچہ خود حضرت رسالت کے عہد میں اس آیۃ کے بعد کبھی کوئی قیدی غلام نہیں بنایا گیا تھا۔

(۲) دعا ایک قسم کی عبادت ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ "الدعاء هو العبادة" اور دعا کے مستجاب اور مقبول ہونے سے مراد حصول

مراد نہیں۔ بلکہ مقبولیت عبادت مراد ہے ۔

(۳) قرآن پاک میں جہاں جہاں "آیۃٌ یا ایاتٌ بینات" کے الفاظ آئے ہیں۔ اُن سے مراد معجزات نہیں بلکہ مواعظ و حکم مقصود ہیں ۔

(۴) حضرت مسیح کی مصلوبیت کی نسبت وہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ صلیب پر چڑھائے تو گئے۔ مگر صلیب پر آپ کی موت نہیں واقع ہوئی ۔

(۵) تعدد ازدواج کے متعلق اُن کی یہ رائے تھی کہ مرد کو اگر اس بات کا احتمال بھی ہو کہ وہ عدل نہ کر سکے گا۔ تو اُس کو ایک سے زیادہ جورو میں رکھنے کی اجازت نہیں۔ اور اُس کو وہ قرآن پاک کی آیت "وَ لَن تعدلوا فواحدۃ" سے ثابت کرتے تھے ۔

(۶) چور کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا کے بارے میں اُن کا دعوے تھا کہ یہ سزا لازمی نہیں کیونکہ لازمی ہوتی تو فقہا اس سزا کے تجویز کرنے کے لئے مال مسروقہ کی ایک خاص مقدار کو نہ مشروط کرلتے ۔ اور نیز صحابہ کے وقت میں بعض چوروں کو قید کی سزا نہ دی جاتی ۔

(۷) وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں جنوں سے مراد چھپے ہوئے لوگ یا پہاڑی اور صحرائی اقوام ہیں ۔

(۸) سورہ فیل میں ابابیل کے کنکریاں پھینکنے سے مراد چیچک کے مرض کا پیدا ہو جانا ہے۔ جیسا کہ اکثر کتب تفاسیر میں موجود ہے لیکن

اوروں نے اس کو ایک روایت ضعیف کی حیثیت سے بیان کیا۔ اور سید صاحب نے اسی کو مرجح باصول درایت قرار دے دیا۔

(۹) قرآن میں انبیائے سلف کے جو واقعات و حالات مذکور ہیں۔ اُن میں اوّل تو خود ہی خلاف فطرت واقعات کم ہیں مفسّرین نے بنی اسرائیل کی کتابوں سے اخذ کر کے اُن واقعات کے جو تکملے کئے ہیں وہ البتہ ایسی خلاف عقل باتوں سے لبریز ہیں۔ مگر اس قسم کی جو چند باتیں قرآن پاک میں موجود بھی ہیں۔ جیسے ید بیضا۔ عصائے موسےٰ۔ دریا میں راستہ ہو جانا۔ فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسےٰ سے باتیں کرنا۔ کوہ طور پر تجلی الٰہی۔ سامری کے گوسالہ کا بولنا۔ پتھر سے پانی کا چشمہ نکلنا۔ ابر کا سایہ کرنا۔ من وسلویٰ کا نزول۔ مسیح کا گہوارہ میں بولنا۔ خلق طیر۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرنا۔ مائدہ (آسمان سے خوان نعمت) کا نازل ہونا۔ اور اسی قسم کے دیگر واقعات۔ ان سب میں سید صاحب نے اپنے خیال و اجتہاد کے موافق تاویلیں کی ہیں۔ اور اُن کو فطرت کے موافق ثابت کرنا چاہا ہے۔ یہی باتیں تھیں جنہوں نے تمام علمائے اسلام اور قریب قریب کل مسلمانوں کو چونکا دیا۔ اور جن کی بنیاد پر آج بھی اکثر سید صاحب سے اختلاف

کیا جاتا ہے ۔

(۱۰) سید صاحب دعوے کرتے تھے ۔ کہ قرآن مجید کا دو طرح کا کلام ہے ۔ ایک کلام مقصود ۔ اور دوسرا کلام غیر مقصود ۔ یعنی وہ واقعات جن کا بیان ضمنی طور پر آگیا ہے اور یہ تقسیم کر کے وہ کہتے تھے کہ کلام غیر مقصود سے کسی شے کے نفی و اثبات پر استدلال نہیں ہو سکتا مثلاً کفار کی نسبت ہے ۔ لا تفتح لهم ابواب السماء ۔ اس میں وہ فرماتے ہیں ۔ کہ آیتہ کا اصل مقصود بیان یعنی کافروں کا رحمت الٰہی سے محروم رہنا ہے ۔ لہذا اس آیت سے اثبات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ۔ کہ آسمان میں دریچے اور دروازے ہیں ۔

(۱۱) وہ فرماتے ہیں ۔ کہ شریعت اسلامیہ میں دو قسم کے احکام ہیں ۔ احکام اصلی ۔ اور احکام محافظ احکام اصلی کی بنیاد صرف احکام اصلی پر ہے ۔ نہ اُن احکام پر جو اصلی احکام کے محافظ ہیں ۔ مثلاً وضو ۔ قیام ۔ قعود ۔ رکوع ۔ سجود وغیرہ نماز کے محافظ ہیں ۔ اور خود نماز اصلی ہے جس سے توجہ الی اللہ مراد ہے ۔ یہ تقسیم فرمانے کے بعد وہ کہتے ہیں ۔ احکام محافظ کے متعلق یہ بحث نہیں چل سکتی ۔ کہ وہ فطرت کے موافق ہیں یا نہیں ۔ لازم و ملزوم ہونے کے باعث دونوں حکموں کا درجہ برابر ہے ۔ مگر مرض یا عذر کی حالت میں حسب

مجبوری و ضرورت سب لوازم ساقط ہو سکتے ہیں +

ان مسائل کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ سب ماننے کے قابل ہیں۔ یا کہ خواہ مخواہ انہیں مان لینا چاہئے۔ اُن کی یہ حالت تھی۔ کہ ایک مجتہدانہ حیثیت سے دینی مسائل میں بحث کرتے تھے۔ اور تقلید سے سب کو منع کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہتے تھے۔ کہ ہر شخص غور و تامل کرے تحقیق و تنقید سے کام لے۔ اگر یہ مسائل اور فیصلہ اُس کے مذاق و تحقیق میں پُورے اُتریں۔ تو ان کو تسلیم کرلے۔ اور اگر اِنکے خلاف اُس کی رائے قائم ہو تو خود اپنی رائے کو اختیار کرے۔ چنانچہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے تو اُن کے پیروؤں بلکہ ہمیں کہوں گا کہ اُن کے دستوں اور اُن کی تعریف کرنے والوں کا نام نیچری رکھدیا۔ مگر انہیں لوگوں میں جو نیچری اور اُن کے پیرو بتائے جاتے ہیں۔ ایسے چار مسلمان بھی مشکل سے ملیں گے جو اِن سب مسائل میں اُن سے متفق ہوں اِن کے سب سے بڑے معرف جو اُن کی زندگی ہی میں اُن کے خلیفہ بتائے جاتے تھے اور حسن اتفاق سے بعد زندگی اُن کے جانشین قرار بھی پا گئے۔ یعنی نواب محسن الملک بہادر مرحوم۔ مذکورہ مسائل میں سے اکثر میں اُن کے سخت خلاف تھے۔ اُن کے موجودہ جانشین نواب

وقارالملک مولوی مشتاق حسین صاحب جو اُن کے بڑے دوست اور خاص لوگوں میں تھے وہ قریب قریب تمام مسائل میں اُن کے خلاف ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ اُن کے گروہ میں نہ شمار کئے جاتے ہوں ؞

اگر سید صاحب کے ہم مذاقوں کا نام نیچری ہے تو وہ بیشک نیچری ہیں اور اُن کے ساتھ اور بھی بہت سے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مخالفوں نے تو اس کوشش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا کہ نیچری اسلام کا ایک متمائز فرقہ بن جائے۔ مگر خود سید احمد خاں کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ کوئی نیا فرقہ نہیں بنانا چاہتے تھے ۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اندر تفریق اور نیا فرقہ پیدا کرنے کے نہایت مخالف تھے ۔ اِسی قدر نہیں وہ کوشش کر رہے تھے۔ کہ جتنے فرقہ پیدا ہو گئے ہیں۔ اُن سب کا اختلاف بھی اُٹھ جائے اور ایک سیدھا سادھا خالص و بے غل و غش دین مصطفوی رہ جائے جسے وہ ٹھیٹھ اسلام کہا کرتے تھے ۔ وہ عام مسلمانوں کی اصلاح کے درپے تھے عام اس سے کہ وہ کسی گروہ اور کسی فرقہ سے علاقہ رکھتے ہوں ۔چنانچہ خالی سنّی ہی نیچری نہیں۔ بلکہ نیچری سنیوں شیعوں وہابیوں۔ بدعتیوں۔ اسماعیلیوں آغاخانیوں سب میں موجود ہیں۔ اور الحمد اللہ کہ سب روشن خیال ہیں ؞

خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب عام مسلمانوں کی اصلاح کے درپے تھے سب کے ہادی و رہبر۔ انھوں نے صرف یہ طریقہ بتادیا۔ کہ امور مذہبی میں کن چیزوں سے اور کیونکر استدلال کیا جائے۔

اگر غور سے دیکھئے تو یہ بڑی حیرت کی بات نظر آتی ہے۔ کیونکہ آج تک جس کسی نے مذہب میں دخل دے کے اصلاح کی کوشش کی ایک نیا فرقہ پیدا کر دیا۔ اس کے نظائر سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ مگر سرسید نے اتنے کثیر التعداد مسائل مذہبی میں گفتگو کی۔ اور اس آزادی سے گفتگو کی۔ مخالفت کا اس قدر زور و شور ہوا مگر اُن کی نیک نیتی اور سچی قومی ہمدردی کی برکت سے کوئی نیا فرقہ نہیں پیدا ہو سکا۔ اُن کے ماننے والوں میں ہمارے بیان کے موافق شیعہ بھی ہیں۔ سنی بھی ہیں۔ وہابی بھی ہیں۔ بدعتی بھی ہیں۔ سب ہی طرح کے لوگ ہیں۔ اور سب اپنے ہم مذہب کے ویسے ہی ماننے والے ہیں۔ جیسے کہ ہوتے ہیں اور پھر بھی وہ سید احمد خانی یا نیچری ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ سید احمد خاں کے فریق سے مراد مذکورہ بالا مسائل کے ماننے والے نہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو سید احمد خاں کی طرح سے قران کی آیت استفت قلبک پر عمل کریں۔ مذہبی روایات کی تنقید کریں۔ اور جو سچ ثابت ہو اُس پر عمل کریں۔

غرض سید احمد خاں نے اصل میں جو کچھ کیا صرف دو باتیں ہیں۔
ایک یہ کہ اجتہاد کا عام دروازہ کھول دیا۔ اور جن لوگوں پر مخالفین اسلام
اور غیر مذاہب کے اعتراضات کا جادو چلنے والا تھا۔ ان کے دل میں
جما دی کہ تمہارے جن مسائل پر غیر لوگ اعتراض کر رہے ہیں۔ اُن کو
صرف رواج یا علماء کے کہنے سے اپنے مذہب کا مسئلہ نہ مان لو۔ بلکہ غور
و تامل سے دیکھو کہ وہ مسئلہ شارع سے ملا ہے یا بعد میں پیدا ہو گیا ہے
اور رسم کے طریقہ سے دین کی باتوں میں داخل ہو گیا ہے۔ اور دوسرے
یہ کہ احادیث کی تنقید میں اہل حدیث و روایت کی طرح صرف روایت
اور حدثنا و اخبرنا سے بحث نہیں کی۔ بلکہ روایت سے بھی کام
لیا۔ اصول حدیث میں یہ مسئلہ قدیم سے لکھا چلا آتا تھا۔ کہ واقعات سلف
اور حدیثوں کی جانچ میں قیاس اور عقل سے بھی کام لینا چاہئے۔ محدثین
سلف اپنے ذوق سلیم سے بھی اندازہ کر کے بتایا کرتے تھے۔ کہ یہ
حدیث صحیح ہے یا موضوع۔ مگر بعد والوں نے سوائے روایت کے
اس اصول کو مطلقاً چھوڑ دیا تھا۔ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی وغیرہ
کے خیالات بھی اس جانب متوجہ ہوئے تھے۔ ابن خلدون نے بھی
اپنے مقدمہ میں اس اصول پر زور دیا تھا۔ مگر سچ یہ ہے۔ کہ اس
اصول سے اگر کام لیا۔ تو صرف سر سید نے بس اُن کی اتنی ہی چیز

ہے جس کو ہم لیتے اور اُن کے پیرو بنتے ہیں۔ باقی رہے وہ مسائل جو انہوں نے اپنے اجتہاد سے نکالے۔ اُن کی نسبت ہر شخص کو اختیار ہے۔ کہ چاہے مانے یا نہ مانے۔ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور روز بروز زیادہ کھلتا جاتا ہے۔ وہ کتابیں جو ناپید تھیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ علوم دینیہ کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

ہر شخص کا ہاتھ اُن کتابوں تک پہنچنے لگا ہے۔ جو پہلے کبھی خواب میں بھی نہ نظر آتی تھیں۔ اور ایسی ایسی مستند اور قدیم تصنیفیں پردہ خفا سے نکل کے چھپتی اور شائع ہوتی جاتی ہیں۔ کہ تنقید کا سلسلہ روز افزوں ترقی کرتا رہے گا۔ بعد میں ایسے لوگ آئیں گے۔ جو سرسید سے زیادہ وسیع النظر اور زیادہ محقق ہوں گے۔ اور بعد کی پرکھ میں خدا جانے کتنے مسائل رہیں گے اور کتنے مٹ جائیں گے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ سید احمد خاں کے بتائے ہوئے مسائل میں سے کتنے لغو ثابت ہو کے فنا ہو جائیں گے۔ اور کتنے نئے پیدا ہوں گے۔ مگر یاد رکھو کہ توحید و رسالت کا سکہ ایسا ہی جما رہیگا۔ اور سید احمد خاں کی یہ برکت روز بروز زیادہ نمایاں طور پر ثابت ہوتی اور دنیا پر حکومت کرتی جائے گی۔ کہ مذہب کو سچے دل سے مانو۔ مگر سوچ سمجھ کے اور یہ دیکھ سکے کہ کتنا حصہ بانی مذہب کا بتایا

ہُوا ہے اور کتنا حشو و زوائد کے حکم میں ہے ۔

عجیب بات یہ ہے کہ سید صاحب نے آج سے تیس پینتیس ۳۵ سال پہلے جن مسائل پر گفتگو شروع کی تھی اور جو فیصلہ کئے تھے وہی اب مستند علماء مصر کے زبان و قلم سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور ویسی ہی اصلاحیں وہاں بھی شروع ہو گئی ہیں جیسی کہ ہندوستان میں سر سید مرحوم نے کرنا چاہی تھیں۔ مگر ہماری بد قسمتی سے جیسی مخالفت ہندوستان میں ہوئی مصر میں نہیں۔

مسلمانوں پر ایک بہت قیمتی اثر سید صاحب کے مذہبی رفارم کا یہ پڑا کہ مذہبی تعصب جو حکومت و دولتمندی اور خود پسندی و جہالت کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ بہت کم ہو گیا۔ فرقہ ہائے اسلام کا باہمی تعصب بھی ایک بڑی خطرناک چیز تھی۔ شیعہ اور سُنی کی دشمنی بڑھتی جاتی تھی۔ سید صاحب نے اسے بھی کم کر دیا اور کالج میں طلبہ ایک ایسی بے آزار مہذب شائستہ اور غیر متعصبانہ زندگی سیکھ کے نکلتے ہیں جس کی نظیر سے مسلمانوں کی تمام درسگاہیں خالی ہیں۔

بس میں سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں میں نے کافی حد تک بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ غلط فہمی اب بہت

کچھ رفع ہو گئی ہو گی کہ سید صاحب دنیا میں کوئی نیا مذہب نہیں چھوڑ گئے ہیں۔ بلکہ تحقیق و تنقید کی برکت ایسی وسیع النظری کے ساتھ پیدا کر گئے ہیں کہ مسلمان اگر تحقیق سے کام لینا شروع کریں تو اُن کی پیروی کرنے ہی سے نیچری نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اُن کی تردید کرنیوالا بھی اگر رسم پرستی سے محفوظ ہو تو نیچری اور سرسید کے گروہ کا رکن رکین ہے۔ جناب پریزیڈنٹ اور حاضرین! میں اب آپ سے اجازت لے کے اپنے بیان کے سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور جس توجہ سے میرا لیکچر سننے میں آپ نے اپنا وقت عزیز صرف کیا اس کی نسبت آپ کا شکر گذار ہوں۔ والسلام

محمد عبد الحلیم شرر

کتب ملنے کا پتہ

ہیسو چوئل ٹریڈنگ ایجنسی موچی گیٹ لاہور

(مطبوعہ کریمی لاہور باہتمام میر امیر بخش مینیجر)

نعتیہ کلام مولوی ظفر علیخاں بی۔ اے ایڈیٹر زمیندار کی رائے

ہے کہ ہندوستان کے گذشتہ و موجودہ شعرائے باکمال کی دلکش و دلچسپ نعتیہ غزلیات کا مجموعہ۔ اب تک نعت کی سینکڑوں کیا ہزاروں کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لیکن اس نعتیہ کلام میں جو خصوصیت اور جدت ہے وہ اس سے پیشتر کی شائع شدہ کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ مولف صاحب کی نظر انتخاب نہایت وسیع معلوم ہوتی ہے۔ اُن کو سینکڑوں کتب نعت کی ورق گردانی کے بعد جس نعتیہ کلام میں جان سخن و شان سخن نظر آئی اُسے عقیدت و ارادت کی پلکوں سے اُٹھا کر اپنے ذخیرہ میں شامل کرتے گئے اور جب اس طرح سخن نعت کے جواہر ریزوں کی تعداد کافی ہو گئی۔ تو اُن کو سطور کی لڑی میں منسلک کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر دیا۔ اس مجموعہ نعت میں سعدی۔ جامی۔ حافظ۔ اکبر بیان۔ لطف شہیدی۔ امیر مینائی۔ اقبال۔ داغ۔ وغیرہ شعرا اور مشاہیر کے علاوہ زمانہ حال و ماضی کے سخن طرازوں کی ۱۳۲ نعتیہ غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ اس میں لکھائی چھپائی کا وہ خاص انتظام کیا گیا ہے۔ کہ کتاب کے ہر صفحہ پر نظر پڑتے ہی دل باغ باغ اس کی تعریف میں یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ اس سے پیشتر اس آب و تاب سے کوئی مجموعہ نعت شائع نہیں ہوا۔ اسلئے سفارش کیجاتی ہے کہ اسکی ایک ایک کاپی ۲ار میں خرید کر لطف اٹھائیں